عہدِ جاہلی مکّی میں تَحَنُّث کی اسلامی روایت

محمد یٰسین مظہر صدیقی ☆

سیرتِ نبوی میں عہدِ جاہلی کی ایک روایت تَحَنُّث کا ذکر مختلف حوالوں سے ملتا ہے۔ بالعموم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے دیباچہ کے طور پر اس کا ذکر اوّل اوّل لایا جاتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے آپؐ کے بعض خاندانی اکابر خصوصاً دادا جنابِ عبدالمطلب ہاشمی کے ذکرِ خیر میں اس کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ جن سیرت نگاروں کی نظر زیادہ وسیع ہوتی ہے وہ دوسرے اکابرِ مکہ کے حوالے سے بھی اس کا ذکر کرتے ہیں۔ جاہلی دور کے دوسرے حسنات و خیرات کی مانند اس روایت کا ذکر بھی سرسری ہی ہوتا ہے۔

حدیث نبوی کے ذخائر میں بھی تَحَنُّث کا ذکرِ خیر بہت زیادہ اور وسیع مفاہیم میں ملتا ہے۔ لیکن اس عظیم جاہلی روایت کے معانی و مفاہیم اور وسیع تر اطلاقات اور جمیل ترین جہات سے کم اعتناء کیا گیا ہے۔ دونوں علوم کی روایات و واقعات اور حقائق و شواہد کا مجموعی تناظر میں تجزیہ کرنے کا زاویہ سرے سے مفقود ہے۔ اس سے زیادہ بے خبری یہ ہے کہ اس روایت تَحَنُّث کا دینِ حنفی سے تعلق و ارتباط بالعموم نہیں سمجھا گیا۔

تَحَنُّث کے آغاز و ارتقاء، دینِ اسلام میں اس کی قدر و منزلت، دینِ ابراہیمی و اسماعیلی میں اس کی روایت اور اس پر عرب عمل، اس کے معانی و مفاہیم کی وسعت، خیر و احسان کے میدان میں اس کی کارفرمائی، عرب جاہلی معاشرے میں اس کی جلوہ سامانی، مکی اسلامی دین و شریعت میں اس کی حیثیت اور جاہلی خیرات و حسنات کی اسلامی دین و شریعت میں اثر پذیری اور برّ و احسان کے غیر منقطع تسلسل کی اسلامی تائید و تصدیق اور ان جیسے تمام دوسرے ابعاد سرسری مطالعہ میں نہیں ہویدا ہوتے۔ یہ تحقیقی مطالعہ اسی بابِ تحقیق کو کھولنے کی ایک کوشش ہے۔

سیرت نگاروں کا مطالعۂ تَحَنُّث

غارِ حراء میں بعثتِ نبوی سے ذرا قبل رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تَحَنُّث کے حوالے

☆ سابق ڈائریکٹر شاہ ولی اللہ ریسرچ سیل، ادارۂ علومِ اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

سے جو بالعموم لکھا گیا ہے وہ بہت محدود معنی و مفہوم بتاتا ہے اور رسولِ اکرمؐ کی سیرتِ طیبہ میں بھی ایک عارضی یا فوری واقعہ کی صورت دیتا ہے۔ اردو کے عظیم سیرت نگاروں نے اس جاہلی اسلامی روایت کا بڑا ناقص مواد سیرت ابنِ ہشام سے لیا ہے، دوسرے مآخذ کو تو استعمال ہی نہیں کیا گیا اور کیا بھی گیا ہے تو سیرت ابن ہشام کے تناظر میں اور محدود مطالعہ کے ہی ضمن میں۔ چند اہم اردو سیرت نگاروں کے مطالعہ تَحَنُّث کا ان ہی کے الفاظ میں آگے تجزیے کے لیے ذکر کیا جارہا ہے۔

عظیم سیرت نگار مولانا شبلی نعمانیؒ نے غالبًا اردو میں مطالعۂ تَحَنُّث کی طرح ڈالی تھی۔ فرماتے ہیں کہ ''مکہ معظمہ سے تین میل پر ایک غار تھا جس کو حراء کہتے ہیں۔ آپؐ مہینوں وہاں جاکر قیام فرماتے اور مراقبہ کرتے، کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے، وہ ہوچکتا تو پھر گھر پر تشریف لاتے اور پھر واپس جاکر مراقبہ میں میں مصروف ہوتے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ غارِ حرا میں آپ تَحَنُّث یعنی عبادت کیا کرتے تھے۔ یہ عبادت کیا تھی؟ عینی شرح بخاری میں ہے: ''**قيل ماكان صفة تعبّده، أجيب بان ذلك كان بالتفكر والاعتبار** '' (یہ سوال کیا گیا ہے کہ آپؐ کی عبادت کیا تھی؟ جواب یہ ہے کہ غور و فکر اور عبرت پذیری۔'' یہ وہی عبادت تھی جو آپؐ کے دادا ابراہیم علیہ السّلام نے نبوّت سے پہلے کی تھی۔ ستاروں کو دیکھا تو چونکہ تجلّی کی چمک تھی، دھوکا ہوا، چاند نکلا تو اور بھی شبہ ہوا، آفتاب پر اس سے زیادہ، لیکن جب نظروں سے غائب ہوگئے تو بیساختہ پکار اٹھے: ''لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ...... اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ (الأنعام: ۷۶-۷۹)'' (میں فانی چیزوں کو نہیں چاہتا...... میں اپنا منہ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا'' مولانا مرحوم نے ایک مغربی مورخ کارلائل کے حوالے سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عبادت کی کیفیت بیان کی ہے جو تخلیقِ کائنات کا مقصد بیان کرتی ہے(۱)۔

قاضی محمد سلیمان سلمانؔ منصور پوریؒ نے بہت مختصر لکھا ہے۔ اس کا عام وجلی عنوان ہے: ''قربِ زمانۂ بعثت'' اور ذیلی عنوان ہے: ''غارِ حراء میں عبادتیں کرنا''۔ قاضی سلیمان رقم طراز ہیں: ''بعثت کا زمانہ جس قدر قریب ہوتا گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج میں خلوت گزینی کی عادت بڑھتی جاتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر پانی اور ستو لے کر شہر سے کئی کوس پرے سنسان جگہ کوہِ حراء(۲) کے ایک غار میں جس کا طول چار گز، عرض پونے دوگز تھا جابیٹھتے، عبادت کیا کرتے، اس عبادت میں تحمید و تقدیسِ الٰہی کا ذکر بھی شامل تھا اور قدرتِ الٰہیہ پر نظر بھی۔ جب تک پانی اور ستو ختم نہ ہوجاتے شہر میں نہ آیا کرتے(۳)۔

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے حضرت عائشہؓ کی بیان کردہ حدیث " ثم حبّب اليه الخلاء وكان يخلو بغار حراء تيحنّث فيه " کے حوالے سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبتِ خلوت گزینی اور غارِ حراء میں خلوت وعزلت سے تعلق سے لکھا ہے کہ رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں وہ عزلت وخلوت "نبوت و رسالت کا دیباچہ ہوتی ہے جیسا کہ رویائے صالحہ، فقط ان حضرات کے لیے نبوت و رسالت کا پیش خیمہ ہوتا ہے جن کے لیے منصبِ نبوت پر فائز ہونا علمِ الٰہی میں مقدر ہوچکا ہے(۴)......"۔ اس کے بعد مولانا مرحوم نے سورۂ مریم کی آیت۴۹: "فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ "کے حوالے سے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے اسوۂ عزلت کا ذکر کرکے اسے اسوۂ محمدی سے یوں مربوط کیا ہے: "پس اسی طرح آپؐ بھی غارِ حراء میں جاکر اعتکاف فرماتے اور کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے اور وہاں اللہ کی عبادت اور بندگی کرتے۔ کسی حدیث میں آپؐ کی عبادت کی کیفیت مذکور نہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ذکرِ الٰہی اور مراقبہ اور تفکّر اور تذکّر یہ آپ کی عبادت تھی۔ علاوہ ازیں فساق و فجّار، مشرکین اور کفار سے علیحدہ رہنا یہ خود مستقل عبادت ہے(آخر ہجرت جس کی مدح و ثنا سے سارا قرآن بھرا پڑا ہے وہ کیا ہے خدا اور رسول کے دشمنوں سے علیحدگی ہی کا نام ہے)...... اور جب توشہ ختم ہوجاتا تو گھر واپس آکر توشہ لے جاتے اور عبادت میں مشغول ہوجاتے"(۵)۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس واقعۂ سیرت کا عنوان باندھا ہے: "حضور کا دورِ تحنُّث" اور محدثین کی روایت (امام زہریؒ، عروہ بن زبیرؓ اور عائشہؓ) کی بنا پر لکھا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء سچے خوابوں کی شکل میں ہوئی۔ آپؐ جو خواب بھی دیکھتے وہ ایسا ہوتا کہ جیسے آپؐ دن کی روشنی میں دیکھ رہے ہیں(۶)۔ پھر آپ تنہائی پسند ہوگئے اور کئی کئی شب و روز غارِ حراء میں رہ کر عبادت کرنے لگے۔ حضرت عائشہؓ نے اپنی روایت میں 'تَحَنُّث' کا لفظ استعمال کیا ہے جس کی تشریح امام زہریؒ نے تـعبّـد سے کی ہے۔ یہ کس طرح کی عبادت تھی جو آپؐ کرتے تھے، کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو عبادت کا طریقہ نہیں بتایا گیا تھا۔ آپ کھانے پینے کا سامان گھر سے لے جاکر وہاں چند روز گزارتے پھر حضرت خدیجہؓ کے پاس آتے اور وہ مزید چند روز کے لیے سامان آپؐ کے لیے مہیا کردیتی تھیں"(۷)۔ مولانا مودودیؒ نے غارِ حراء میں خلوت گزینی کی وجہ سورۂ الم نشرح کی آیات۔ ۲-۳ " اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ o وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ o وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ " کے حوالے سے زیادہ مفصل بیان کی ہے جس کا لبِ لباب یہ ہے کہ

حالات کے فساد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کڑھتے اور اس کی اصلاح کے لیے سوچتے تھے مگر اس بگاڑ کو دور کرنے کی کوئی صورت آپ کو نظر نہ آتی تھی اور اس طرح نبوت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بوجھ کو دور کر دیا(۸-الف)۔

دوسرے اردو عربی سیرت نگاروں میں مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے السیرۃ النبویۃ میں ''تباشیر الصبح وطلائع السعادۃ'' کی بڑی سرخی اور ''فی غار حراء'' کی ذیلی سرخی کے تحت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت گزینی اور شجر و حجر کے سلام کرنے کے حوالے سے غارِ حراء کی خلوت کا ذکر کیا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ غارِ حراء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل متعدد راتیں خلوت میں گزارتے اور اس کے لیے سامان زیست یا زادِ سفر ساتھ لے جاتے اور وہاں طریقۂ ابراہیمی حنیفی اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فطرتِ سلیمہ پر عبادت کرتے اور دعا مانگا کرتے: ''وکان یخلو -غالبا- بغار حراء، فیمکث فیہ لیالی متوالیات و کان یتزود لذلک، و کان یتعبّد و یدعو علی الطریقۃ الابراھیمیۃ الحنیفیۃ والفطرۃ السلیمۃ المنیبۃ الی اللہ''(۸-ب)۔

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوریؒ نے مؤلفِ رحمۃ للعالمین کے بعض بیانات کو نقل کرکے خلوت گزینی کے باب میں چند اضافے کیے ہیں: ۱- آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب یہاں تشریف لے جاتے تو حضرت خدیجہؓ بھی آپ کے ہمراہ جاتیں اور قریب ہی کسی جگہ موجود رہتیں؛ ۲- آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان بھر اس غار میں قیام فرماتے؛ ۳- آنے جانے والے مسکینوں کو کھانا کھلاتے اور بقیہ اوقات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارتے؛ ۴-کائنات کا مشاہدہ اور اس کے پیچھے کارفرما قدرتِ نادرہ پر غور فرماتے؛ ۵- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کے لچر پوچ شرکیہ عقائد اور واہیات تصورات پر بالکل اطمینان نہ تھا؛ ۶-لیکن آپؐ کے سامنے کوئی واضح راستہ، معیّن طریقہ اور افراط وتفریط سے ہٹی ہوئی کوئی ایسی راہ نہ تھی جس پر آپؐ اطمینان اور انشراحِ قلب کے ساتھ رواں دواں ہوسکتے(۹)۔'' پھر مولانا صفی الرحمٰن نے پیغمبرؐ کی تنہائی پسندی کی حکمت بیان کی ہے۔

جدید اور معاصر سیرت نگاروں میں ڈاکٹر محمد حمیداللہؒ جدید ترین تکنیک اور مجموعی تناظر میں لکھتے ہیں۔ سیرتِ نبوی میں خاص اپنی کتاب ''محمد رسول اللہؐ'' میں انہوں نے کا تعلق غارِ حراء میں آپ کے تَحَنُّث سے بحث کی ہے جس کے بنیادی نکات یہ ہیں:

۱): جب (مذہب کے معاملہ میں) حضورؐ کی بے چینی بڑھی تو انہوں نے رمضان کا پورا مہینہ مشہور غارِ حرا میں گزارنے کا فیصلہ کیا جو مکہ کی نواحی پہاڑی جبل النّور میں واقع ہے۔..... کہا جاتا ہے کہ نہ صرف

رسولِ خداؐ کے دوست زید ابن عمرو بن نفیل بلکہ حضورؐ کے دادا عبدالمطلب بھی کبھی کبھی عبادت کے لیے غارِ حراء میں چلے جایا کرتے تھے۔ رسولِ خداؐ نے کچھ کھانے پینے کا سامان ساتھ لیا اور غارِ حرا میں چلے گئے۔ اس سامان میں سے وہ قریب سے گزرنے والے مسافروں کی خدمت بھی کرتے رہے۔ پھر ان کی محبوب اہلیہ بی بی خدیجہؓ بھی وقتاً فوقتاً کھانے پینے کا سامان غار میں پہنچاتی رہیں۔ ایک ماہ تک (غار میں) غور و فکر کے بعد، جس کی کوئی تفصیل ہم تک نہیں پہنچ سکی، حضورؐ واپس آ گئے۔ انہوں نے واپسی پر سب سے پہلے کعبہ کا سات بار طواف کیا اور پھر اپنے گھر گئے۔

۳): غارِ حراء میں اس قیام سے حضور کو اتنی مسرت حاصل ہوئی کہ انہوں نے اسے اپنا سالانہ معمول بنالیا۔ ہم متواتر پانچ سال تک دیکھتے ہیں کہ آنحضورؐ سال میں ایک بار دنیاوی زندگی حتیٰ کہ بال بچوں سے بھی علیحدگی اختیار کر کے ایک ماہ کے لیے غارِ حراء میں چلے جاتے جہاں وہ یکسوئی سے خدا کی عبادت کرتے اور ان سوالات پر غور وفکر کرتے جو ان کے ذہن میں پیدا ہوتے۔ ممکن ہے وہ سوال یہ ہوں: کائنات کا خالق کون ہے؟ انسانی زندگی کا مقصدِ وحید کیا ہے؟ اور بعد از مرگ کیا ہوتا ہے؟ وغیرہ[۱۰]۔

تَحَنُّث کی حقیقت و معنویت

امام زہریؒ اور دوسرے امامانِ حدیث و سیرت کے بیانات میں تَحَنُّث کے لغوی معنی کا ذکر آچکا ہے۔ امام بخاریؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس لفظِ کریم کی لغت اور لغوی معنی پر دوسرے ائمہ کے حوالے سے بحث کی ہے۔ ان کے بنیادی مباحث ترتیب وار یہ ہیں:

لغاتِ لفظ: بالعموم یہ لفظ تَحَنُّث (ت ح ن ث) نون کی تشدید اور آخر میں ثاء کے ساتھ احادیث و روایات میں بابِ تفعیل میں آیا ہے اور واحد متکلم مضارع: "أتحنث" بیان ہوا ہے جیسا کہ احادیثِ بخاری: ۱۴۳۶، ۲۲۲۰، ۲۵۳۸ اور ۵۹۹۲ میں ہے۔ موخر الذکر حدیث میں امام بخاریؒ نے ابوالیمان کے حوالے سے اس کی ایک قراءت اَتَحَنَّتُ (ات ح ن ت) یعنی آخری حرف بجائے ثاء کے تاء کے ہے جبکہ امامانِ لغت و حدیث معمر، صالح اور ابن المسافر نے "أتحنث" یعنی آخر میں ثاء ہی پڑھا ہے۔ یہ تمام روایات حضرت حکیم بن حزام اسدیؒ کی خیرات و حسنات کے بارے میں ہیں اور ان میں ان کا یہ بیان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفتاء کی صورت میں آتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے حدیث بخاری: ۱۴۳۶ میں پہلی بار وارد اس لفظ کی قراءت کے تعلق سے اپنی بحث میں لکھا ہے کہ امام بخاریؒ نے کتاب الادب میں ابوالیمان کی روایت از شعیب از زہری "أتحنت" لکھا ہے اور حدیثِ ہشام جو کتاب العتق میں ہے اس کو آخری حرف "ت" کے ساتھ "أتحنت" ہی بیان کیا ہے۔ حافظ موصوف کے مطابق قاضی عیاضؒ نے لکھا ہے کہ بخاری کے رواۃ

نے اسے مثلثہ (ث) کے ساتھ ہی روایت کیا ہے لیکن کہیں کہیں بالمثناۃ (ت کے ساتھ) بھی ہے۔ مگر روایت اور معنی دونوں کے لحاظ سے مثلثہ کے ساتھ ہی صحیح ترین ہے: ''قولہ: ''اتحنث'' بالمثلثة...... ولما اخرج البخاری هذا الحدیث فی الادب عن ابی الیمان عن شعیب عن الزهری قال فی آخره: ویقال ایضا عن ابی الیمان اتحنت یعنی بالمثناة...... وحدیث هشام اورده فی العتق بلفظ ''کنت اتحنت بها''...... قال عیاض: رواه جماعة من الرواة فی البخاری بالمثلثة و بالمثناة، وبالمثلثة اصح روایةً و معنیً''[۱۱]۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے اور نبوی تَحَنُّث کے ضمن میں یہ لفظ بخاری کی کتاب بدء الوحی کے باب: ۳ (بلاعنوان) کی حدیث ۳ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث یا روایت میں آتا ہے اور جس میں یہ اظہار ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حراء میں خلوت گزینی فرماتے اور اس میں تحنُّث کرتے: ''وکان یخلو بغار حراء فیتحنّث فیه ......''۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنی شرحِ مختصر میں ایک نیا نکتہ نکالا ہے کہ اصلاً یہ لفظ تَحَنُّث نہیں ہے بلکہ تَحَنُّف ہے یعنی یَتَحنَّف اور عربوں میں کلام میں فاء کو ثاء سے اکثر بدل دیا جاتا ہے۔ ابنِ ہشام کی روایت میں یعنی سیرتِ ابن ہشام میں وہ یَتَحَنَّفُ ہی آیا ہے۔ یتحنّث ہی بمعنی یتحنف...... والفاء تبدل ثاء فی کثیر من کلامهم وقد وقع فی روایة ابن هشام فی السیرة: "یتحنف" بالفاء......''[۱۲]۔

دوسرے مآخذِ حدیث و سیرت سے موازنہ و مقارنہ کے بعد اس لفظ کریم کی تین قراءتوں کا ہی پتہ چلتا ہے:

۱-تَحَنُّث، ۲- تحنُّت اور ۳- تحنُّف اور ان میں سے موخرالذکر اصل قراءت ہے، بقیہ اس کی مبدل اشکال ہیں۔ عربی زبان کی عظیم ترین لغت لِسانُ العرب میں ان ہی لغات کا ذکر ان ہی مآخذِ حدیث و سیرت کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔

معانی و مفاہیم تَحَنُّث

لغات کی اصل اور اس کی تبدیل شدہ اشکال کے معانی و مفاہیم میں کیسی کیسی گوناگونی آتی ہے، خاص لفظ تَحَنُّث کے حوالے سے اس کی مبدّل شکل یا اشکال نے کیا قیامت ڈھائی ہے، اس کا اندازہ مختلف تشریحاتِ حدیث و سیرت ولغت سے ہوتا ہے۔ ان کا الگ الگ معانی کے لحاظ سے ذکر کیا جاتا ہے:

۱: تَحَنُّثْ بمعنی تعبُّد: حدیثِ حضرت عائشہ صدیقہؓ (حدیث بخاری: ۳) کے متن میں ہی "فیتحنث فیه" کے معاً بعد اس کے معنی لکھے گئے ہیں: "وهو التعبد"۔ یعنی صاف وسلیس اردو میں اس کے معنی ہیں عبادت کرنا، بندگی بجالانا، پرستش کرنا۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنی شرح میں وضاحت کی ہے کہ یہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ بعد کے راوی امام زہریؒ کی تفسیر ہے اور اس طرح وہ کلام مُدرَج ہے۔ امام طیبیؒ نے اس کی تعیین وتشریح کی ہے مگر اس کی دلیل نہیں بیان کی۔ حافظِ موصوف نے اس کی تفسیر میں یونس کے طریق سے مؤلفِ گرامی کی روایت سے سند حاصل کی ہے کہ وہ ادراج پر دلالت کرتی ہے: "وهو التعبد" هذا مدرج فی الخبر، وهو من تفسیر الزهری كما جزم به الطیبی ولم یذكر دلیله۔ نعم فی روایة المؤلف من طریق یونس عنه فی التفسیر مایدل علی الادراج"(۱۳)۔

اس شرحِ حافظ میں یہ بحث بھی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے "تعبّد" کی صفت کی تصریح نہیں آئی ہے لیکن ابن اسحاق سے عبید بن عمیر کی روایت میں یہ بات آئی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاس آنے والے مساکین کو کھانا کھلاتے تھے: "فیطعم من یرد علیه من المساكین"۔ اور بعض مشائخ سے منقول ہے کہ آپؐ تفکّر کے ذریعہ تعبد فرمایا کرتے تھے: "انه كان یتعبد بالتفكر" اور تیسری بات یہ لکھی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے خلوت گزینی ہی کو تعبد سے تعبیر کیا ہو: "ویحتمل ان تكون عائشة اطلقت علی الخلوة بمجردها تعبّدا"، جیسا کہ حضرت خلیل علیہ السّلام کا مشرکین کی عبادت سے اعتزال ہی عبادت/تعبّد تھا جیسا کہ سورۂ صافات: ۹۹ "اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ" میں ہے(۱۴)۔

۲: تحنُّث بمعنی تبَرُّر: سیرت وحدیث میں تحنُّث کے ایک معنی تبرّر (نیکی کرنے) کے بھی بیان کیے گئے ہیں جیسا کہ حدیث بخاری: ۱۴۳۶ کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بیان کیا ہے اور اس کے لیے کتاب العتق میں حدیث ہشام کا حوالہ دیا ہے: "كنت اتحنث بها یعنی اتبرّر بها" (میں ان چیزوں کے ذریعہ تحنُّث کرتا تھا یعنی ان کے ذریعہ نیکی کے کام کرتا تھا)۔ اسی مقام پر امامِ سیرت ابن اسحاق سے بھی یہی معنی نقل کیے ہیں کہ تحنُّث دراصل تبرُّر کے معنی میں ہے "التحنّث التبرُّر"۔ اسی کی متابعت ہشام نے اپنے والدِ ماجد عروہؒ سے کی ہے (اور انہوں نے شاید اپنے والد حضرت زبیر بن العوام اسدیؓ سے) "وتابعه هشام بن عروة عن ابیه"۔ حافظ موصوف نے حضرت زبیر بن العوام اسدیؓ تک اس کی سند نہیں پہنچائی ہے۔ بہرحال دونوں امامانِ حدیث ہشام

بن عروہ اور ان کے والد عروہ بن زبیر نے امام ابن اسحاق کے ''تبرّر'' کے معنی قبول کر لیے ہیں۔

محولہ بالا کتاب العتق کی شرح میں حافظ موصوف نے مزید تشریح و وضاحت کی ہے کہ'' ان کے ذریعہ میں نیکی طلب کرتا تھا اور گناہ (حنث) دور کرتا تھا:'' ای اطلب بھا البرّو طرح الحنث''۔ کتاب الزکوۃ میں بھی اسی قسم کے معنی خاص کر گناہ دور کرنے (طوح الحنث) کا ذکر کیا ہے جو اصلاً نیکی طلب کرنے کی دوسری صورت یا منفی بات ہے۔ کیونکہ جب نیکی (بِـر) حاصل ہوتی ہے تو وہ گناہ کو دور کرنے کا باعث بن جاتی ہے۔ حافظ موصوف نے اس معنی کے حضرت ہشام بن عروہؒ سے منقول ہونے کی بات نہ صرف دہرائی ہے بلکہ یہ بھی تصریح کردی ہے کہ یہی معنی امام مسلم اور امام اسماعیلی کے ہاں بھی ثابت ہیں اور جس نے اسے تفسیر بخاری سمجھا ہے اس نے قصور کیا ہے: ''یعنی أتبرّر'' ھومن تفسیر ھشام بن عروۃ راویه کماثبت عند مسلم والاسماعیلی، وقصر من زعم انه تفسیر البخاری''[۱۵] یہاں یہ مزید صراحت کرنی لازمی ہے کہ نیکی طلب کرنے (اتبـــرّر) کا مفہوم بہت وسیع ہے کہ وہ عام نیک کام کرنے کے معنی رکھتا ہے۔ اس ''طلبِ برّ'' کی گوناگوں اقسام ہوسکتی ہیں اور واقعتاً ہیں بھی۔ ان کا ذکر آگے حدیث کے حوالے سے آتا ہے۔ پھر اس تبرّر کا ایک تعلق تحنّث/ تعبّد سے بھی ہے کہ طلبِ نیکی عبادت کرنے کو لازم بھی ہے۔

۳: تَحَنُّثُ بمعنی تَحَنُّفُ:   بحثِ حافظ موصوف سے ثابت ہوتا ہے کہ اصل لفظ تحنّف ہے جیسا کہ حدیث بخاری: ۳ کی شرحِ حافظ میں ہے۔ ان کے مطابق امامِ سیرت ابن ہشام کی ایک روایت میں لفظ تحنث کی جگہ تحنّف ہی آیا ہے اور اس کے معنی اس صورت میں یہ لکھے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حنیفیت یعنی دینِ ابراہیم علیہ السّلام کی اتباع کرتے تھے: ''ای یتبـــع الحنیفیة وھی دین ابراھیم''۔ اس قراءت یا اصل لفظ کی لغوی تبدیلی کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اس معنی یا صحیح لفظِ عربی کے صحیح ترین معنی یہ ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حراء میں خلوت گزینی کے دوران جو کچھ کرتے تھے وہ حنیفیت یا دینِ ابراہیمی کی روایت کی پاسداری تھی[۱۶]۔ اس پر مزید بحث وتحقیق دینِ حنفی کی روایت میں آرہی ہے۔

لغوی معنی اور اصطلاحی معنی دونوں کے لحاظ سے تحنّث کا بمعنی تحنّف ہونے کی بھی بڑی قدر و قیمت ہے۔ اور تینوں معانی (تحنّث، تعبّد اور تبرّر) کا تعلق بلکہ لزوم ہر لحاظ سے تحنّف سے قائم ہوجاتا ہے۔ گناہوں کو دور کرنے کی منفی صورت لی جائے یا مثبت لحاظ سے نیکی کرنے اور عبادت کرنے کے معانی لیے جائیں دونوں صورتوں میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ گناہ اور نیکی اور عبادت کا معیار استناد اور

اعتبار کیا ہے۔ بالخصوص عرب جاہلی کے سماجی اور دینی پس منظر میں جہاں دینی انحرافات اور سماجی خرافات نے بھی اعتبار حاصل کرلیا تھا۔ لہٰذا برّوعبادت اور گناہوں کو دور کرنے کی صورت کا معیار صرف حنیفیت یا طریقۂ حنفی ہی تھا۔ بلکہ اسی طریقۂ ابراہیمی حنفی کی کسوٹی پر گناہ کو گناہ اور نیکی کو نیکی قرار دیا جاسکتا تھا اور احناف نے یہی معیار اپنایا تھا۔ ہر وہ چیز، عمل، تصور، نظریہ، کام، شغل اور عبادت نیکی تھی جسے حنیفیت نے نیکی قرار دیا تھا اور ہر مخالف و منافی چیز گناہ تھی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غارِ حراء کا تحنّث ہو یا دوسرے اکابر کا تعبّد و تحنّف، وہ سب طریقۂ حنفی کی پیروی میں ہی اعتبار پاتا تھا اور اس اعتبار و معیار کا اعتراف منحرفینِ مکہ اور مشرکینِ قریش کو بھی تھا۔

حنیفیت کی روایتِ تَحَنُّث

فتح الباری میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے امامِ سیرت ابن اسحاق کی سیرتِ نبویہ کے حوالے سے پہلے تو تَحَنُّث کے معنی تبرّر کے بتائے ہیں پھر وہب بن کیسان کی وہ روایت نقل کی ہے جو انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے سنی تھی۔ اصلاً حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حضرت عبید بن عمیرؓ لیثی سے نبوتِ محمدی کے آغاز کے بارے میں سوال کیا تھا کہ وہ کیسے ہوا؟ حضرت عبیدؓ نے فرمایا، جبکہ حضرت ابن زبیرؓ وہاں موجود تھے، کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ایک ماہ حراء میں مجاورہ (خلوت گزینی) فرماتے تھے۔ اور یہ وہ روایت تھی جس کی پاسداری قریش بھی جاہلیت میں کرکے تحنُّث کیا کرتے تھے یعنی طلب نیکی کرتے تھے...... "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجاور في حراء كل سنة شهرا وكان ذلك مما يتحنث به قريش في الجاهلية، والتحنث التبـــرر" (۱۷)۔ حضرت حافظ نے اس بحث کے آخر میں حضرت حکیم بن حزامؓ کی حدیث کی رفعت بیان کی ہے اور اسے موصول و مرفوع بتایا ہے جیسا کہ بعض احادیثِ حضرت حکیمؓ کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے اور مزید اگلی بحث و تجزیہ میں آرہا ہے۔اس وضاحت سے چند حقائق واضح ہی نہیں ثابت ہوتے ہیں:

اول: دینِ حنفی میں سال بھر میں ایک ماہ تک کسی جگہ-خلوت میں- مجاورت کرنا دینی روایت تھی۔

دوم: قریش عہدِ جاہلیت میں اس روایت حنفی کی پاسداری میں سالانہ مجاورتِ ماہ کیا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ صرف اکابر تک محدود نہیں تھی بلکہ عام قریش کی روایت تھی جو دینِ حنفی

کا بقیہ نقیہ تھی۔

سوم: رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قریشی رسمِ دینی اور روایتِ حنفی پر عمل فرماتے ہوئے ایک ماہ کی مجاورت ہر سال کیا کرتے تھے کہ یہ دینِ حنفی کی صحیح روایت تھی اور اس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہ تھی۔

چہارم: خالص دینی- دینِ حنفی کی روایت ہونے سے اس کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہدِ مبارک سے تسلسل کا پتہ چلتا ہے۔

پنجم: اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قریش میں یہ روایت مسلسل چلی آرہی تھی حتی کہ ولادتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے قبل زمانہ سے بھی وہ جاری تھی۔ دوسرے الفاظ میں یہ مجاورت، جوارِ رمضان کی حنفی روایت اور اس میں عبادت گزاری، غیر منقطع تھی۔

میں ''جاہلی عہد میں حنفیت'' پر اسی عنوان سے ایک طویل مقالہ لکھ چکا ہوں(۱۸)۔ وہ حدیث و سیرت کے بنیادی مآخذ کے علاوہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتاب حجة اللّٰه البالغة کی ایک خاص فصل و مبحث پر استوار ہے۔ اس بحث سے اور تمام مآخذ سے ثابت ہوتا ہے کہ بعثتِ نبوی سے قبل کا رواجی دینِ عرب اپنی اصل کے اعتبار سے دینِ ابراہیمی پر مبنی تھا اور اس میں امتدادِ زمانہ سے دستبردِ انحرافات کے نتیجہ میں بہت سی خرافات و بدعات شامل ہوگئی تھیں۔ تاہم ان کے ہاں بنیادی عقائد موجود تھے۔ ان میں اللہ ربّ العالمین کا تصور بھی تھا اور عقیدہ بھی، اگرچہ توحید کا پہلو بہت واضح نہ تھا۔ نبوّت و رسالت اور آخرت اور ان سے متعلق دوسرے عقائد (ملائکہ، جنت، دوزخ، تقدیر وغیرہ) کا بھی خیال موجود تھا۔ رواجی دین کے خلاف جو تحریک مزاحمت وقتاً فوقتاً چلتی رہی وہ حنفیت ہی کہلاتی تھی اور اس کے علمبردار احناف کہلاتے تھے۔ ان احناف میں حضرت زید بن عمرو بن نفیل کا ذکر آچکا ہے، متعدد دوسروں میں ورقہ بن نوفل، عثمان بن الحویرث اور عبیداللہ بن جحش مشہور ترین ہیں۔ جبکہ متعدد دوسرے احناف بھی تھے جو عرب کے طول و عرض میں مختلف قبیلوں میں حنفیت پھیلاتے رہے تھے۔ مشرکانہ رسوم و عبادات سے اجتناب کے علاوہ ان میں بنیادی عباداتِ دینِ ابراہیمی موجود تھیں جیسے نماز، روزہ، صدقہ و زکوٰۃ، حج و عمرہ اور طواف وغیرہ۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنی فصلِ خاص میں احنافِ عربِ جاہلی کے ہاں ان تمام ارکانِ دین کے علاوہ متعدد خصالِ فطرت اور سنن جیسے ختنہ وغیرہ اور بہت سی اخلاقی اقدار کے موجود و کارفرما ہونے کا ذکر کیا ہے(۱۹)۔ حنفیت کی تاریخ کا تسلسل حضرات ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السّلام کے زمانے سے برابر ملتا رہا ہے اگرچہ ان

احناف یا حنیفیت کے علمبرداروں کی تعداد روز بروز کم ہوتی گئی تھی اور مشرکوں اور منحرفوں کی تعداد کا غالب غلبہ ہوتا گیا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد ہی یہ بتایا ہے کہ سادہ و شفاف ملتِ حنیفیہ کا احیاء کیا جائے۔ حنیفیت کے اعمال و اشغال پر بحث میں تَحَنُّث کا بھی ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے اور اسی حصہ سے یہاں بھی بحث ہے۔

تحنُّث کے معنی عام عبادت کے ہیں اور اس میں اس کی متعدد اقسام و انواع شامل کی گئی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے کتاب حجة اللّٰہ البالغة میں لکھا ہے کہ اہل جاہلیت مختلف انواع تحنّثات کے ذریعہ عبادت الٰہی کیا کرتے تھے: "وبالجملة كان اهل الجاهلية يتحنثون بانواع التحنثات....."(۲۰)۔

انواع و جہاتِ تَحَنُّث

ان گونا گوں انواع تحنثات میں سے ایک رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غارِ حراء میں تحنُّث کرنے کی قسم ہے۔ مآخذ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ تحنُّث یا تعبّد تمام قریش اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے مہینے میں ہی کیا کرتے تھے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جناب عبدالمطلب ہاشمی کے بارے میں ایک روایت یہاں تک دعویٰ کرتی ہے کہ رمضان کے پورے ماہ میں غارِ حراء میں تحنُّث کرنے کی طرح یا سنت انہوں نے ہی ڈالی تھی۔ بلاذری وغیرہ کی روایت میں وضاحت ملتی ہے کہ عبدالمطلب ہاشمی اوّلین شخص تھے جنہوں نے حراء میں تحنُّث کی روایت قائم کی۔ رمضان کا چاند دیکھتے ہی وہ حراء میں داخل ہوجاتے اور ماہِ رمضان کے اختتام تک باہر نہ آتے۔ پھر وہ مساکین کو کھانا کھلاتے "وكان اول من تحنث بحراء وكان اذا أهل هلال شهر رمضان دخل بحراء فلم يخرج حتى ينسلخ الشهر و يطعم المساكين"(۲۱)۔

یہاں یہ وضاحت اور اضافہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جناب عبدالمطلب ہاشمی نے غارِ حراء میں تحنُّث کا سلسلہ بھی شروع کیا ہے مگر رمضان میں تحنُّث کا رواج قدیم سے چلا آرہا تھا۔ غالبًا دینِ ابراہیمی میں رمضان کے روزے فرض رہے تھے جیسا کہ بعض اکابر علماء کا خیال ہے اور اسی کے ساتھ رمضان میں تحنُّث کا رواج قائم ہوا۔ بعد میں انحراف کے نتیجے میں صیامِ رمضان کا تصور و عمل ضائع ہوگیا یا ماند پڑگیا لیکن تحنُّث در رمضان کی ریت چلتی رہی۔ قریشِ مکہ اور خاص کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس حنفی روایت پر برابر عمل کرتے رہے تھے۔ ایک طرح سے رمضان میں غارِ

حراء کا تحنُّثِ نبوی زندگی کا ایک مسلسل عمل تھا۔

انواعِ تحنّثات کے ساتھ اہلِ جاہلیت کے تحنُّث کرنے سے متعلق بیانِ حضرت شاہ ولی اللہؒ سے ثابت ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رمضان مبارک میں غارِ حراء کے اندر تحنُّث کرنا اور قریشِ مکہ کا اس ماہ میں مختلف مقامات پر تحنُّث کرنا صرف ایک قسم و نوعِ تحنُّث ہے۔ صرف یہی واحد یا کلی تحنُّث نہیں ہے بلکہ ایک وسیع کل کا صرف ایک جزو ہے۔ تحنُّث کے دوسرے معنی تبرّر یعنی نیکی طلب کرنا/ نیک کام کرنا اور ان کے ذریعہ گناہوں کو دھونے کی کوشش کرنا بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے۔ نیکی کرنے یا نیک کام کرنے کے متعدد ابعاد و جہات ہیں بلکہ ایک طرح سے اَن گنت انواع و اقسام ہیں۔

تحنُّثِ رمضان کا آغاز و اختتام طواف سے

خلوت یا غار میں تحنُّث کرنے کا ایک خاص طریقہ مآخذ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے جو صرف غار میں جابیٹھنے کے علاوہ ہے۔ عربِ جاہلی کا عام اور اچوک طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے تمام دنیاوی اور دینی کاموں کا آغاز و اختتام طوافِ بیت اللہ سے کرتے تھے۔ یہ ان کی روزانہ عبادت بھی تھی اور خاص خاص مواقع پر خاص عبادت بن جاتی تھی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اکابرِ قریش غارِ حراء یا کسی دوسرے مقامِ خلوت میں جانے سے قبل بیت اللہ کا ایک طواف ضرور کرتے تھے جس میں سات اشواط (چکر) ہوتے تھے۔ مآخذ میں اسی کو سات بار طواف کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کبھی کبھی وہ اس سے زیادہ طواف یعنی دو تین طواف بھی کرتے تھے جیسا کہ امامِ سیرت ابن ہشام اور ان کے شارح امام سہیلی وغیرہ نے لکھا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تحنُّث در حراء کے اختتام پر یہ صراحت کئی مآخذ میں ملتی ہے کہ آپؐ غارِ حراء سے واپسی پر سب سے پہلے بیت اللہ تشریف لاتے اور اس کا طواف کرتے اور اس کے بعد ہی گھر تشریف لے جاتے تھے "فاذا قضی رسول الله صلى الله عليه وسلم جواره من شهره ذلك كان اوّل مايبدأبه -اذا انصرف من جواره - الكعبة قبل ان يدخل بيته، فيطوف بهاسبعا او ماشاء الله من ذلك۔"(۲۲)

تحنُّث در غارِ حراء کی نوعیت

محدّثینِ عظام، اکابر علماء اور جدید محققین سب کو شکوہ ہے کہ غارِ حراء میں تعبّد/ عبادتِ نبوی کی تفصیل حدیث یا روایت میں نہیں مل سکی۔ اس لیے استنباط و قیاس کو کھلی چھوٹ دے دی گئی اور ہر

ایک نے اپنے فکروفہم کے مطابق اس خاص تعبّد کی صورتیں تجویز کرنی شروع کیں۔ ایک خیال تفکر کا ہے کہ وہ خالقِ کائنات اور نبوّت و آخرت و مقصدِ حیات کے بارے میں غوروفکر فرماتے تھے۔ دوسرے میں تذکُّر کا پہلو ہے کہ یادِ الٰہی فرمایا کرتے تھے۔ تیسرے میں مراقبہ ہے کہ اندرونِ نفس میں جھانکتے اور گیان دھیان لگاتے تھے۔ چوتھا خیال یہ ہے کہ مشرکوں اور ان کی رسومِ شرک سے علیحدگی (اعتزال) فرمانا ہی تعبّد کا حاصل تھا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے وجودِ باری تعالیٰ میں غور وفکر کیا تھا اور اپنی مشرک قوم کو چھوڑ کر اپنے رب کی طرف جادۂ پیما ہوگئے تھے اور خالص حنیف بن گئے تھے۔

بلاشبہ یہ حقیقت ہے کہ غارِ حراء کے تعبّد نبوی/ تحنُّثِ محمدی کی اوردوسرے ساکنانِ مکہ کی عبادت و نیکی طلبی کی تفصیل نہیں ملتی لیکن اسلامی-حنفی روایتِ اعتکاف میں اس کی بنیادی صورت گری ملتی ہے۔ اس کو اسلامی اصطلاحِ ثانی میں جِوار /محاورۃ بھی کہا گیا ہے اور اعتکاف کے لیے بھی اس اصطلاح کا برابر استعمال ملتا ہے۔ عہدِ جاہلی میں بھی اشراف و اشخاصِ قریش اعتکاف سے واقف تھے اور اس کو مسجدِ حرام وغیرہ میں انجام دیتے تھے۔ جیسا کہ حدیث بخاری: ۲۰۳۲ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے عہدِ جاہلیت میں مسجدِ حرام میں ایک رات اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی مگر اسے پورا نہ کرسکے تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس نذرِ اعتکافِ جاہلی کو پورا کرنے کا حکم دیا تھا: "انّ عمر سأل النّبی صلی الله علیه وسلم قال: کنت نذرت فی الجاهلیة ان اعتکف لیلةً فی المسجد الحرام، قال: "اوف بنذرك"(۲۳)۔

کتبِ حدیث کے تمام دفاتر اعتکاف چھان جایئے مگر اعتکاف کے دوران عبادت کی نوعیت کا پتہ چلے گا اور نہ اس کی تفصیل مل سکے گی، صرف اسلامی عبادات- نماز، تلاوت، تسبیح وتہلیل وغیرہ- کا قیاس کرلیا گیا ہے یا چند معلومات بعد کے اعتکاف کے بارے میں فقہاء و محققین نے بڑی کاوش سے جمع کرلی ہیں۔ کم از کم بخاری وغیرہ عظیم ترین کتبِ حدیث/ صحاح ستّہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عباداتِ اعتکاف کا سراغ نہیں ملتا۔ ابھی تک یہ موضوع بھی تحقیق طلب ہے۔ بہرحال اعتکاف ہو یا جوار ومجاورت اور اس کی عبادت و تحنُّث وہ بنیادی طور سے "تعبّد و تبرّر" کے وسیع تر احاطے و دائرے میں تھا۔ اور وہ دینِ حنفی کا ایک نوع کا تعبّد وتبرّر تھا۔ یہ روایت جاہلی عرب کے قریش اور بعثتِ نبوی سے قبل حضرت محمد بن عبداللہ ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کو ودیعت ہوئی تھی۔

تحنُّف کے تحت حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ملتِ حنفی کی روایت کی پیروی کرنے کی بات

بالکل صحیح کہی ہے۔ وسیع تر تصور وعملِ عبادت کے تناظر میں ثابت ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حراء میں خاص تحنث/ تعبّد فرماتے تھے۔ اس میں دینِ حنفی کی نماز، جیسی بھی تھی، شامل تھی۔ اس قیاس کو اس حقیقت سے تقویت ملتی ہے کہ غارِ حراء میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم استقبالِ کعبہ فرماتے تھے اور اس کے دکھنی (جنوبی) جانب کا رخ بیت اللہ کی طرف تھا جہاں سے وہ نظر بھی آتا تھا۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ نے بالکل صحیح مشاہدہ لکھا ہے کہ قدرتی طور سے غارِ حراء کا رخ بیت اللہ کی جانب تھا اس سے استقبالِ قبلہ فطری تھا۔ اس جوار ومجاورت اور تحنُّث و تعبّد میں ذکرِ الٰہی کی دوسری صورتیں از خود شامل ہوجاتی ہیں۔ ان میں تسبیح وتہلیل تھی، ذات و صفاتِ الٰہی میں غور وفکر اور مراقبہ بھی داخل تھا کہ قرآن مجید کے واضح وحتمی بیان اور تاریخی قطعی شواہد کے مطابق عرب جاہلیت والے تصور وعقیدہ اللہ رکھتے تھے اور اسی کو مالکِ کل، ربُّ العالمین، خالقِ ارض وسماء اور خالقِ انسان سمجھتے تھے۔ اذکار کی ایک شہادت حج کے مناسک سے وابستہ اذکار بالخصوص تلبیہ سے ملتی ہے جو جاہلی عربوں میں پوری طرح سے رائج تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنی فصلِ خاص میں سجود و دعاء کا بطور خاص ذکر کیا ہے کہ وہ تمام عربِ جاہلی میں پوری طرح باقی ومحفوظ تھے۔ جوارِ رمضان کے دوران عبادت و تعبّد و تحنُّث کے اعمال و اشغال اتنے معروف ومشہور تھے کہ بعد کے لوگوں نے ان کے بارے میں سوال ہی نہیں اٹھائے۔ ظاہر ہے کہ وہ دین حنفی کے وسیع تعبّد و تحنُّث کا ایک خاص وظیفہ تھا جو ادا کیا جاتا تھا۔ اسلامی عہد میں تمام مسلمان اور دوسرے لوگ بھی اعتکاف کے اعمال و اشغال سے واقف تھے لہٰذا ان کی تفصیل نقل کرنی عبث سمجھی گئی۔

دوسری انواعِ تَحَنُّث

رمضان میں سالانہ ایک ماہ کی خلوت گزینی-جوار/مجاورہ اور تعبّد و تحنُّث - کی خاص اندرونِ خلوت صورت وشکل کے علاوہ اس سے وابستہ اور کئی عبادات و اعمال و وظائف تھے جو پہلے یا بعد میں ادا کیے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ وسیع تر تحنُّث کی اور عبادات یا نیکی طلبیاں تھیں جو ہر وقت اور ہر زمانے اور ہر مقام پر نیکی و اجر حاصل کرنے اور گناہوں کو دھونے کے لیے انجام دی جاتی تھیں۔ ان دونوں بنیادی اقسامِ تحنُّث-خصوصی وعمومی- کا ذکرِ خاص طور سے کیا جاتا ہے تاکہ عہدِ جاہلی کے تحنُّث اور دینِ حنفی کے تعبّد و تبرّر کو سمجھا جاسکے اور ان کا اسلامی محمدی شریعت و دین سے ارتباط جانا جاسکے کیونکہ دینِ ابراہیمی واسماعیلی کا تسلسل دینِ حنفی کے ساتھ وابستہ ہے اور اس درمیانی

کڑی سے اسلامی محمدی دین و شریعت کا ارتباط پیوست ہے، اس میں کہیں بھی انقطاع یا فترہ نہیں ہے(۲۴)۔

اصل بحث سے قبل ایک اصولی بحث کرلی جائے کہ اس کی صحیح تفہیم کے بغیر خاصی الجھن کا سامنا ہوتا ہے۔ ایک اصول یہ ہے کہ اسلام اپنے زمانے سے پہلے کے معاملہ کو ختم کردیتا ہے: ''**الاسلام یهدم ما کان قبله**''۔ اس کا بالعموم یہ مطلب نکالا گیا ہے کہ عربِ جاہلیت کے زمانے کے تمام امور و معاملات پر خطِ تنسیخ پھیر دیا گیا تھا اور اسلامی عہد میں ان کے وقوع و وجود اور کارفرمائی و کارگزاری اور اس کے نتائج وثمرات سب کے سب کالعدم ہوگئے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے اس بابِ تحنُّث میں بیان شدہ متعدد مباحث و اقوالِ علماء سے یہی غلطِ عام تاثر سب کو ملتا ہے۔ حافظ موصوفؒ نے بھی اور بعض دیگر اکابر علماء و شارحین نے بھی اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بالخصوص اس پر بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ عہدِ جاہلیت کی تمام تکلیفات، حسنات و خیرات، قوانین و اعمال، عبادات و رسوم وغیرہ ختم نہیں ہوئی تھیں، صرف ایمان لانے والے کے کفریہ یا شرکیہ کاموں یا ان کے تحت کئے گئے دوسرے اعمال و اشغال کا ہدم و نسخ مراد ہے۔ نکاح و طلاق، بیوع و معاملات، تجارات و معاہدے وغیرہ کے ساتھ ساتھ اہلِ جاہلیت کی تمام نیکیاں اور اچھائیاں نہ صرف برقرار رہی تھیں بلکہ ان کا اجر بھی اسلام لانے کے بعد جاری اور قائم دائم رہا تھا۔ نیکیاں برباد نہیں ہوتیں، اس پر مزید بحث آگے آتی ہے۔

رمضان کی خلوت گزینی سے وابستہ تحنُّث کی وجوہِ خاص

عام اور وسیع تر تحنُّث/ تعبّد اور تبرّر، جس کا ایک جزو رمضان کی خلوت گزینی تھی، اس سے وابستہ عبادتوں کی ترتیب وار صورت پذیری مآخذ سے یوں کی جاسکتی ہے:

۱) **طوافِ قبلِ خلوت:** قریشِ مکہ بالعموم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم بالخصوص تمام اچھے دنیاوی اور دینی کاموں کے آغاز میں طواف کرتے تھے۔ یہ ان کی اچوک عادت اور غیر منقطع روزانہ عبادت بھی تھی۔ لہٰذا وہ غارِ حراء یا دوسرے مقاماتِ خلوت پر خلوت گزینی شروع کرنے سے پہلے بیت اللہ کا کم از کم ایک طواف کرتے تھے جو سات اشواط (چکروں) پر مشتمل ہوتا تھا یا توفیق ملی تو زیادہ طواف کرتے تھے۔ مولانا مودودیؒ اور ڈاکٹر محمد حمیداللہؒ نے کعبہ کے سات طواف کرنے کا جو نتیجہ نکالا ہے وہ صحیح نہیں اس سے اصل مراد سات اشواط پر مشتمل ایک طواف ہے(۲۵)۔

۲) **غارِ حراء میں خلوت کی عبادت:** اس پر بحث اس سے قبل کی فصل میں آچکی ہے۔ مختصراً تسلسلِ بیان کے لیے عرض مکرر ہے کہ وہ نماز، سجدہ، دعا، ذکر، تفکّر، مراقبہ، تسبیح وتہلیل، بیت اللہ کی غار حراء سے مسلسل زیارت وغیرہ پر مشتمل تھی(۲۶)۔

۳) **خلوت اور رمضان کے خاتمہ پر طوافِ کعبہ:** رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تمام روایاتِ سیرت و حدیث کا اتفاق ہے کہ غارِ حراء میں اپنی مجاورت و جوار ختم کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے مسجدِ حرام تشریف لاتے اور خانہ کعبہ کا سات چکروں پر مشتمل ایک یا زیادہ طواف فرماتے اور اس کے بعد ہی اپنے خانۂ مبارک تشریف لے جاتے تھے۔ یہ اصلاً قریشی حنفی روایت کی پاسداری اور تابعداری تھی اور اسی پر تمام دوسرے مجاورت کرنے والے قریشیوں اور ساکنانِ مکہ کا عمل بھی تھا۔

۴) **مساکین پر صدقہ/ اطعامِ مساکین:** جوار و مجاورت کی ایک اور لازمی روایت یہ نظر آتی ہے کہ خاتمۂ جوار پر مساکین کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ جسے اطعامِ مساکین کا اصطلاحی نام دیا گیا ہے۔ وہ دراصل فقراء و مساکین کو صدقہ و خیرات دینے کے معنی میں ہے۔ چونکہ ان فقیروں اور تہی کیسوں کی سب سے بڑی ضرورت کھانا تھی لہٰذا اسے دینِ حنفی اور اسلام میں اطعامِ مساکین کہا گیا ہے۔ قرآن مجید کی متعدد سورتوں کی آیاتِ کریمہ میں اطعامِ مساکین کا ذکر اسی انداز سے آیا ہے(۲۷)۔ مولانا مودودیؒ اور خاص کر ڈاکٹر محمد حمیداللہ کو اس سے یہ غلط فہمی ہوگئی کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ جو زادِ خلوت غارِ حراء میں لے جاتے تھے اس میں سے آنے جانے والے مساکین کو کھلاتے تھے۔ یہ عملاً ممکن نہ تھا کیونکہ غارِ حراء ایک بلند پہاڑی پر واقع غار تھا، وہ کسی شاہراہ یا عام مقامِ زیارت کا علاقہ نہ تھا جہاں سے آنے جانے والے یا مساکین گزرتے ہوں۔ غارِ حراء تک پہنچنا ان بیکسوں کے لیے ناممکن تھا۔ دوسرے وہ اس صدقہ و اطعام کی نوعیت نہیں سمجھ سکے۔

دین و شریعتِ اسلامی میں بالخصوص اور دوسری شریعتوں او مذہبوں میں بالعموم ایسے مواقع پر خاص صدقہ دینے کی روایت زمانۂ قدیم سے چل آرہی ہے۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اچھے کام بالخصوص خاص رسم سے پہلے اور اس کے بعد صدقات نکالتے ہیں۔ رمضان میں صدقات و خیرات کرنے کی روایت دینِ حنفی میں بھی تھی اور عام خیرات وحسنات تو عربوں کی گھٹی میں پڑی تھی۔ عیدین میں نماز گاہ/ عید گاہ جانے سے قبل صدقات ادا کرنے کا حکم احادیث میں ملتا ہے، اسی طرح بعض دوسرے خاص مواقع پر صدقات نکالنے کا ذکر آتا ہے۔ ابھی تک ایسی کوئی روایت نہیں مل سکی جو یہ بتائے کہ

خلوتِ خانہ میں قدم دھرنے سے پہلے بھی صدقات دیے جاتے تھے لیکن یہ رسم و عبادت بعید از قیاس نہیں ہے۔ دوسری عبادات و اسفار کے حوالے سے اس کو مزید مستند و مستحکم بنایا جاسکتا ہے۔ بہرحال رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ و شریفہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ خلوت گزینی کے بعد خاص طور سے مساکین کو صدقات عطا کرتے تھے، یہ جوار و مجاورت پر شکرانہ کا صدقہ بھی تھا اور غارِ حراء کی عبادت و تحنُّث کا ایک حصہ بھی اور جنابِ الٰہی میں ہدیۂ تشکّر بھی تھا۔ یہ عام صدقات و خیرات عرب اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جود و سخی کے عمومی مظاہر کے سوا خاص عبادت کا اختتامیہ تھا۔ اور غالباً دینِ حنفی میں اس کی روایت عربوں میں چلی آرہی تھی اور دوسرے اہلِ جاہلیت بالخصوص قریشِ مکّہ کا بھی اس پر عمل تھا۔

وسیع و عام تحنُّث کی وجوہ

تحنُّث و تبرّر کا ایک وسیع تر اور وسیع الجہات مفہوم ملتا ہے اور وہ ہے ہر طرح کی نیکی کا کام کرنا۔ اس لفظ و اصطلاح کا خاص استعمال ان احادیث میں ہوا ہے جو حضرت حکیم بن حزام اسدیؓ کے نیک کاموں کے ضمن میں وارد ہوئی ہیں۔ لفظ تحنُّث سے بحث کے ذیل میں ان احادیثِ بخاری کا خاص طور سے ذکر و حوالہ پہلے آچکا ہے۔ ان ہی سے اس وسیع تر اور عمومی تحنُّث اور اس کی جہات کا پتہ چلتا ہے۔ ان (حکیم بن حزامؓ) کا اصل مسئلہ یہ تھا اور دوسرے اکابر کا بھی رہا تھا کہ عہدِ جاہلیت میں کیے گئے اچھے کاموں کا اجر و ثواب اسلام لانے کے بعد کے ایمانی زمانے میں محسوب و عطا ہوگا کہ نہیں؟ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حکیم بن حزام اسدیؓ کے استفتاء کے جواب میں ان کو یقین دلایا تھا کہ ان حسنات و خیراتِ جاہلی کا اجروثواب عہدِ اسلامی میں بھی برقرار ہے اور وہ ان کے دوسرے اسلامی حسنات میں جوڑا جائے گا۔ اس اسلامی فراخدلی، فطری دریا دلی اور منطقی و مذہبی توسع سے متاثر ہوکر حضرتِ موصوف نے فیصلہ کیا تھا کہ جتنے اچھے کام انہوں نے عہدِ جاہلیت میں کیے تھے ان سب کو اسلامی حیات میں بھی کریں گے اور بعض روایات کے مطابق دورِ اسلام میں ان سے دو گنے نیک کام کرنے کا عہد کیا تھا اور اپنے اس عہدِ اسلامی کو وفا بھی کر دکھایا تھا۔ حضرت حکیم بن حزام اسدیؓ کے اچھے کاموں میں چند کا خاص تحنُّث کے حوالے سے ذکر ملتا ہے۔ پہلے ان خاص "تحنّثاتِ حکیمی" کا ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ حدیث شریف میں لفظ تحنُّث سے وابستہ و پیوستہ بیان ہوئے ہیں۔ لیکن یہیں یہ واضح کردیا جائے کہ صرف مذکورہ وجوہِ تحنّثات (درحدیثِ بخاری)

ہی تمام وجوہِ تحنّثات نہ تھیں، ان کے علاوہ بھی بہت تھیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنے خاص بیان میں ان تحنّثات اور ان کی گوناں گوں انواع کا بہت واضح ذکر فرمایا ہے۔ (جیسا کہ پہلے اس کا حوالہ آچکا اور اس پر بعد میں بھی ایک مختصر سی بحث تجزیہ وتحلیل کے بطور بھی آئے گی)۔ پھر فطری طور سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ انواعِ تحنّثات صرف چند یا ایک دو وجوہ میں بند نہ تھیں کہ جذبۂ احسان فراواں ہے۔

غلاموں کی آزادی

حدیث بخاری: ۲۵۳۸ کے مطابق حضرت حکیم بن حزامؓ نے جاہلیت میں سو غلام آزاد کیے تھے اور سو اونٹوں پر لوگوں کو سوار کیا تھا۔ جب وہ اسلام لائے تو سو اونٹوں پر لوگوں کو سوار کیا اور سو غلام آزاد کیے۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ میں نے رسولِ اکرمؐ سے پوچھا کہ میں جاہلیت میں کچھ چیزیں کرتا تھا جن کے ذریعہ اجروثواب چاہتا تھا کیا ان کا ثواب مجھے اب بھی ملے گا؟ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اپنی کی ہوئی ہر اچھی چیز (خیر) کے ساتھ اسلام قبول کیا ہے:

حدثنا عبيد بن اسماعيل حدثنا ابو اسامه عن هشام اخبرني ابي" ان حكيم بن حزامؓ انه اعتق في الجاهلية مائة رقبه و حمل علىٰ مائة بعير، فلما اسلم حمل علىٰ مائة بعير و اعتق مائة رقبة. قال: فسألت رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم فقلت: يا رسول الله! أرأيت اشياء كنت اصنعها في الجاهلية أتحنّث بها – يعني اتبرّربها – قال: فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "اسلمت علىٰ ماسلف لكُ من خير (۲۸)۔

ابن ہشام کی روایت ان ہی ہشام بن عروہؒ سے مروی ہے اور اس میں دو سو غلاموں کو آزاد کرنے اور دو سو اونٹوں پر سوار کرنے کی بات کہی گئی ہے: "انه اعتق في الجاهلية مائتي رقبة، وحمل علىٰ مائتي بعير" اور اسی میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جتنے اچھے کام میں نے جاہلیت میں کیے تھے اتنے اسلام میں بھی کرگزروں گا: "فواللّٰه لاادع شيئًا صنعته في الجاهلية الافعلت في الاسلام۔" حافظ ابن حجرؒ نے اس روایت کو اپنی شرحِ حدیث بخاری میں نقل کرکے اسے مستند بتایا ہے اور ان دونوں میں جمع وتطبیق کی کوشش کی ہے۔ اصل چیز غلاموں کی آزادی کی نیکی ہے۔ جاہلی عہد میں یہ نیک روایت دینِ حنیفی سے آئی تھی اور اسے شریعتِ اسلامی محمدی نے اور بھی تابناک و کارفرما بنادیا۔ دوسرے اکابرِ عہدِ جاہلیت اور دورِ اسلامی کے غلاموں کے آزاد کرنے اور اسے تبرُّر سمجھنے کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں (۲۹)۔

سواری کے جانوروں کا ہبہ و ہدیہ

حضرت امام بخاریؒ نے حضرت حکیم بن حزام اسدیؓ کے دو نیکی کے کاموں کا ذکر اس حدیث اور اس کے اطراف میں کیا ہے اور غلاموں کی آزادی کے علاوہ دوسرا نیک کام بے نواؤں کو سواری کے جانوروں کا ہدیہ کرنا یا ہبہ کرنا ہے۔ حضرت امام بخاریؒ نے اس بنا پر اس حدیث شریف کو کتاب الزکوٰۃ کے ایک باب کے علاوہ کتاب البیوع کے "باب شراء المملوك الحربي و هبته و عتقه" میں بھی بطور حدیث: ۲۲۲۰ نقل کیا ہے اور دوسری کتب میں بعض الفاظ کے فرق کے ساتھ بھی۔ بہرحال ان سب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسافروں، بیکسوں اور بے نواؤں کو سواری کے جانور-اونٹ وغیرہ- ہدیہ کرنا بھی ایک نیکی کا کام سمجھا جاتا تھا اور عرب جاہلی اس کو دینِ حنفی کے تحنُّث کے ایک جزو یا عمل کے طور پر برابر کیا کرتے تھے۔ اسلام نے اس کام کو بھی نیکی کا کام سمجھ کر قبول کیا۔ عرب محاورہ میں بالعموم اس کو جانوروں پر سوار کرنے (حمل علیٰ بعیر وغیرہ) سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث حضرت حکیم بن حزام اسدیؓ میں ہے۔ اس کا سب سے خوبصورت اور معنی آفریں اور دل موہ لینے والا بیان قرآن مجید میں غزوۂ تبوک کے حوالے سے ملتا ہے۔ بے نوا مجاہدین نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر سواری کے جانور مانگے تھے کہ وہ بھی غزوہ میں شریکِ سعادت ہوسکیں مگر رسول اکرمؐ نے اپنی لاچاری ظاہر کی کہ آپؐ کے تمام ذرائع نقل وحمل پہلے ہی مجاہدینِ غزوہ کے کام آچکے تھے، تو وہ سرشارانِ محبتِ الٰہی اپنی محرومی اور بے بسی پر روتے ہوئے لوٹ گئے تھے۔ آیتِ کریمہ ۹۲ سورۂ التوبہ میں اسی کا ذکر خیر ہے "وَّ لَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ"۔ رسولِ اکرمؐ کے ارشادِ گرامی، ان بیکسوں کی طلبِ خیر اور اپنی اندرونی سعادت کے سبب حضرت عثمان بن عفان امویؓ نے ان بے نواؤں اور مفلس مجاہدین کو سواری کے جانور مہیا کیے تھے تو رسولِ اکرمؐ نے ان کو مغفرتِ بے کراں سے شاید اسی لیے نوازا تھا۔ یہ تو عہدِ اسلامی کے حسنات وخیرات حمل ونقل تھے جو عہدِ جاہلی سے اس تک پہنچے تھے، جیسا کہ شواہد بتاتے ہیں(۳۰)۔

عام صدقہ

حدیثِ حضرت حکیم بن حزام اسدیؓ کے دوسرے اطراف میں تین عام نیکیوں کا ذکر ملتا

ہے، وہ ہیں: صلۂ رحمی، غلاموں کی آزادی، اور صدقہ اور ان تینوں کے ذریعہ وہ اجر طلبی کرتے تھے۔ وہ عہدِ جاہلیت میں ان کو تحنُّث کا ایک جزو سمجھتے تھے: ''یارسول اللہ! أرایت امورا کنت اتحنث — او اتحنت — بھافی الجاھلیة من صلة و عتاقة و صدقة، ھل لی فیھا اجرٌ؟ قال حکیمؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "اسلمت علی ماسلف لك من خیر '' (حدیث بخاری: ۲۲۲۰)۔ یہی تین امورِ تحنُّث حدیث بخاری: ۵۹۹۲ میں بھی ہیں اور دوسری روایات و احادیث میں بھی ان کا ذکر عام ملتا ہے۔ ان میں سے غلاموں کی آزادی (عتاقة) کا ذکر ہوچکا اور کتاب الزّکوٰۃ کے حوالے سے کسی قدر صدقہ کا بھی لیکن وہ خاص صدقۂ حمل ونقل اور عتاق کے تحت آتا ہے۔

ان اطرافِ حدیث بخاری سے معلوم ہوتا ہے کہ عام صدقہ کرنے کا تصور وعمل عہدِ جاہلی اور قبلِ بعثتِ نبوی کی زندگی میں موجود و کارفرما ہی نہیں تھا بلکہ اس پر بہت زور و شور اور جوش و جذبے کے ساتھ عمل کیا جاتا تھا کیونکہ وہ ان کے تصور وعملِ تحنُّث کا ایک جزو یا عمل تھا اور جس کے ذریعہ وہ نیکی طلب کرتے اور گناہوں کو دور کرنے کی سعی کرتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنی فصلِ خاص میں عربِ جاہلی کے اندر صدقہ کا ذکر کیا ہے کہ وہ ان کے حسنات میں بلند مقام کا حامل تھا۔ وہ نہ صرف ان کے جود و سخا اور دریادلی کا اظہار تھا بلکہ وہ انسانی ہمدردی اور فقراء و مساکین کی محبت کا بھی ایک نشان تھا۔ خلوت گزینی یا رمضان میں مقاماتِ خلوت پر مجاورت و جوار کے بعد عام طور سے صدقات فقراء و مساکین کو دیے جاتے تھے جیسا کہ ذکر آچکا۔ اس کے علاوہ عام زندگی میں اور معمول کے احوال میں بھی عربوں میں بالعموم اور رسولِ اکرمؐ بالخصوص غریبوں، مسکینوں، محتاجوں، ضرورت مندوں اور بہت سے دوسروں کو صدقات برابر عطا کیا کرتے تھے۔ اس کے متعدد حوالے مساکین کے حوالے سے قرآن مجید کی آیاتِ کریمہ میں آتے ہیں اور صدقات و خیرات کے حوالے سے بھی آتے ہیں۔

صلۂ رحمی

خون کے رشتہ داروں، عزیزوں اور قرابت والوں کے ساتھ احسان وسلوک کو صلۂ رحمی سے تعبیر کیا جاتا ہے، وہ صدقہ سے وسیع تر چیز ہے۔ صدقہ میں غربت کے ساتھ مسکنت اور لینے والے کی فروتنی کا عنصر بھی ہوتا ہے۔ صلۂ رحمی قرابت کے حقوق ادا کرنے کا نام ہے اور ان میں سے بہت سوں کو صدقہ و خیرات رشتہ کے احترام میں دی بھی نہیں جاسکتی۔ لہٰذا ان کے ساتھ خاص احسان و

سلوک کو صلۂ رحمی (صلۃ) کہا جاتا ہے جس میں مسکنت و فراتی کا عنصر نہیں بلکہ رشتہ داری کا عنصر حاوی ہوتا ہے۔ صلۂ رحمی بھی تحنُّث و تبرُّر کا ایک طریقہ، ایک باب اور میدانِ عمل تھا اور بہت زیادہ وسیع بلکہ وسیع ترین تھا۔ حدیثِ حضرت حکیم بن حزام اسدیؓ میں اس کا مجمل ذکر آیا ہے اور شارحین نے بھی اپنی شروح کو مجمل ہی رکھا ہے(۳۱)۔

قبلِ بعثت کی زندگی میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صلۂ رحمی کا ایک شاندار بیان بدء الوحی کی حدیث بخاری:۳ اور اس کے اطراف میں ملتا ہے۔ وہ حضرت خدیجہؓ کے بیان کا ایک جزو ہے جو انہوں نے وحی الٰہی کی سختی دور کرنے کے ضمن میں دیا تھا۔ رسولِ اکرمؐ کو تسلی دیتے ہوئے انھوں نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز ضائع یا رسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپؐ رشتہ داروں کے ساتھ صلۂ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، معاشرہ پر جو لوگ بار ہیں ان کا بوجھ اٹھاتے ہیں، نادار کے لیے آپؐ کماتے ہیں، مہمان کی خاطر تواضع کرتے ہیں، حق کے کاموں میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں: "کلا واللہ مایخزیکُ اللہ ابدا، انکُ لتصل الرحم و تحمل الکل، وتکسب المعدوم، وتقری الضیف و تعین علی نوائب الحق"......(۳۲)۔

ایک انتہائی دلچسپ اتفاق و اجماع ہے کہ یہی تمام اوصاف حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں سردارِ قارہ ابن الدغنہ نے کہے تھے۔ یہ اوصاف دراصل عہدِ جاہلیت کے رجالِ فتوت و مروت کے بارے میں عام تھے اور بیشتر صالح وسعید اشخاص ان سے متصف تھے اور یہ سب ان کے تحنُّث و تعبُّد اور تبرُّر کے اعمال و اشغال تھے خواہ ان کے بارے میں اس لفظِ خاص کا حوالہ ملے یا نہ ملے(۳۳)۔

مختصر تجزیہ

جدید اور بڑی حد تک قدیم سیرت نگاروں نے غارِ حراء میں تحنُّثِ نبوی کا مطالعہ اس کے صحیح تناظر میں نہیں کیا، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ تحنُّث اور زمانۂ تعبُّد کی صحیح تفہیم کی ہے اور نہ ہی اس کے تسلسل کا مطالعہ کیا ہے۔ مذکورہ بالا جدید سیرت نگاروں کے بیانات خاصے تشنہ ہیں۔ ان کا ایک تنقیدی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔

مولانا شبلیؒ نے غارِ حراء میں آپؐ کے مہینوں قیام و مراقبہ کرنے کی بات بلاسند کہی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے واقعۂ غور وفکر کا صحیح مطالعہ نہیں کیا۔ نبوت سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ

السّلام کو ستاروں اور چاند و سورج کے مشاہدے سے کسی قسم کا دھوکا نہیں ہوا تھا، وہ اچانک مشاہدہ نہ تھا بلکہ روز کا تھا۔ دراصل اس بیانِ قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی مظاہر پرستی کی مشاہداتی تردید تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبلِ بعثت زندگی میں بھی موحّد و مومن تھے۔ مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ اور بعض دوسروں نے بھی اسے زمانۂ بعثت کے قریب زمانے کا واقعہ بتایا ہے جو صحیح نہیں۔ پھر غارِ حراء کے تحنُّث و جوار کو انہوں نے دوسروں کی مانند خلوت گزینی کی عادتِ شریفہ سے خلط ملط کردیا ہے۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے عزلت و خلوت کو رویائے صالحہ و صادقہ کی مانند نبوت و رسالت کا دیباچہ قرار دے دیا ہے۔ اس میں دو مغالطے ہیں: ایک عزلت گزینی کسی کے بھی حق میں نبوت و رسالت کا دیباچہ نہیں ہوتی خواہ وہ کوئی رسول مکرمؐ کیوں نہ ہوں؛ دوم رویائے صالحہ وحی الٰہی کی ایک قسم ہے اور حدیث کی وحی کی ایک صورت، وہ اصلِ نبوت ہے، اس کا دیباچہ وغیرہ نہیں۔ فساق و فجار اور مشرکین سے علیحدگی کو عبادت قرار دینے کا وہم ان کو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے واقعۂ اعتزال سے ہوگیا ہے۔ دُرّ مختار کی بیکراں محبت و عقیدت کے نتیجے میں موصوف نے کشفِ صادق کا ذکر کیا ہے، ورنہ وہ شریعتِ ابراہیمی کی واقعی پیروی تھی۔

مولانا مودودیؒ نے رویائے صالحہ کو خلوت گزینی سے خلط ملط کیا ہے، رویائے صالحہ کی تعبیر بھی صحیح نہیں کی ہے، وہ صرف کئی کئی شب و روز کی عبادتِ غارِ حراء بھی نہ تھی۔ وہ ایک حدیث حضرت عائشہ صدیقہؓ کا سیاق و سباق سے الگ کرکے بیان بنایا گیا ہے۔ مولانا مرحوم کا دوسرا حاشیہ پہلے حاشیہ کی تردید کرتا ہے۔ اس میں غارِ حراء کے تحنُّث سالانہ کو خلوت پسندی کا آغاز بتایا گیا ہے اور اس تحنُّثِ سالانہ اور قیامِ غارِ حراء کے عمل کو چند سال پر محیط بتایا ہے جو قیاس بھی ہے اور غلط بھی۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے غارِ حراء کے قیام و تحنُّث کو خلوت گزینی اور تسلیم شجر و حجر کے بعد کے واقعات سے جوڑ کر ایک سلسلہ واقعات بنادیا ہے۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوریؒ نے مولانا کاندھلویؒ کی مانند تحنُّثِ نبوی کو قریش کے شرکیہ عقائد و اعمال سے بلاوجہ مربوط کردیا ہے۔ رمضان بھر قیامِ غارِ حراء کی بات کہی ہے مگر وہ اس کی مدت و زمانے کی تعیین کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ مرحوم نے رمضانِ غارِ حراء میں قیام و تحنُّث نبوی کا محرک آپؐ کی دینی بے چینی کو قرار دیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ حضرات زید بن عمرو بن نفیل اور عبدالمطلب کے غارِ حراء میں عبادت کا محرک نہیں بتایا، وہ بہرحال دینی بے چینی نہ تھی۔ اولین قیام و تجربۂ غارِ حراء کو باعثِ مسرّت ثابت کرنے کے بعد اسے

سالانہ معمول بنالینے کا قیاس بالکل غلط ہے اور اسی طرح اس دورِ تحنُّثِ نبوی کی مدت صرف پانچ سال قرار دینے کی کوشش بھی سراسر قیاسی اور غیر تاریخی ہے۔ یہ قیاس کہ سال بھر میں ایک ماہ کے لیے بال بچوں سے علیحدگی اختیار کرنے کا خیال ونظریہ پر تصوف کا اثر ہے وہ بھی غیر واقعی ہے۔ ان کے قائم کردہ قیاسی سوالات بہت زیادہ قابلِ قبول نہیں ہیں۔

جدید سیرت نگاروں کے مذکورہ بالا بیانات ہوں یا اسی نوعیت کے دوسرے اہلِ علم اور قدیم اکابر کے خیالات وہ صرف اس بنا پر غیر واقعی اور غیرتاریخی بن گئے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ تحنُّث یا قیامِ غارِ حراء کا ان کے صحیح اسلامی تناظر میں مطالعہ نہیں کیا گیا۔ اسے اچانک ایک ابھر آنے والا واقعہ سمجھا گیا جس کا سابقہ زندگی اور قریشی روایت اور جاہلی عرب اور دینِ حنفی کی قدرِ دینی سے کوئی واسطہ و علاقہ نہ تھا۔

غارِ حراء میں نبوی تحنُّث و قیام دراصل عہدِ جاہلی میں دینِ حنفی کی ایک اسلامی ابراہیمی روایت کی پیروی تھی۔ وہ وسیع تر تصور وعملِ تحنُّث کی ایک خاص صورت یا جزئیہ تھا اور قبلِ بعثت کی زندگی میں وہ ایک قومی روایت بھی تھی۔ اس بحث و تجزیہ کے بنیادی نکات یہ ہیں:

۱) حضرات ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السّلام کے زمانے سے پورے ماہِ رمضان کسی مقامِ خلوت پر تحنُّث کیا جاتا تھا۔ دینِ حنفی کی یہ روایت تحنُّث وخلوت گزینی اس مبارک عہد سے بعثتِ نبوی تک جاری و قائم رہی جس طرح دوسرے رسوم و مراسم ابراہیمی و اسماعیلی حج و عمرہ و طواف کی مانند قائم و دائم رہے تھے۔

۲) قریش میں بالخصوص رمضان کے ماہ میں خلوت گزینی اور تحنُّث کی روایت ہمیشہ موجود رہی۔ وہ مختلف مقاماتِ خلوت پر تحنُّث و تعبّد کرتے تھے اور خلوت میں مراقبہ ومجاورہ سے روح کی صفائی اور جسم کی بالیدگی کا نظم کرتے تھے۔ روایات کے مطابق رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جناب عبدالمطلب ہاشمی نے اوّل اوّل غارِ حراء میں تحنُّث کیا اور وہ پھر ان کی سنت بن گیا۔ ان کے کمسن معاصرین اور جانشینوں میں حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدوی نے غارِ حراء میں قیام کیا۔ امکان ہے کہ دوسرے اکابر بنی ہاشم وغیرہ نے بھی اس کو اپنایا ہو۔

۳) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ حراء میں تحنُّثِ رمضان کا طریقہ اپنا لیا، اس میں دادا کی سنت کا اثر بھی کارفرما تھا۔ غارِ حراء میں قیام و جوار و تحنُّث کا معاملہ نبوی زندگی کا ایک مستقل وطیرہ تھا، آغاز کا پتہ لگانا مشکل ہے تاہم وہ سنِ شعور کے ساتھ ہی ہوا تھا۔ قرائن

کہتے ہیں کہ عائلی زندگی بالخصوص حضرت خدیجہؓ سے نکاح کے بعد ہی اس کا سلسلہ چلا تھا۔ آپؐ تحنُّث در غارِ حراء سالانہ ماہِ رمضان میں فرماتے تھے مگر قربِ بعثت کے زمانے میں اکثر و بیشتر وہاں چلے جاتے تھے۔ اسی اضافی تحنُّث کو حدیثِ حضرت عائشہ صدیقہؓ میں خلوت گزینی کی محبت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرآنی وحی کی اولین تنزیل بہرحال رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سالانہ جوار و مجاورتِ غارِ حراء کے دوران ماہ رمضان کے اواخر میں ہوئی تھی جیسا کہ سورۃ القدر ''اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ......الخ'' سے ثابت ہوتا ہے۔ روایات و احادیث بھی اسی کی تصدیق و تائید کرتی ہیں۔

۴) طریقۂ تحنُّث/ جوارومجاورت سے متعلق یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے خلوت گزینی کرنے والے اس کا آغاز بیت اللہ کے طواف سے کرتے تھے جس طرح وہ دوسرے تمام اچھے کاموں کا آغاز، خواہ دنیاوی ہوں یا دینی، طواف کعبہ سے کرتے تھے۔ ایک ماہ تک قیام کے لیے بالعموم کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے، کم پڑجاتا تو دوبارہ گھروں کو آ کر لے جاتے یا اہل خانہ اس زادِ مجاورت کو پہنچا دیتے جیسا کہ حضرت خدیجہؓ کے بارے میں صراحت سے آتا ہے۔ پورے ماہِ رمضان کے جوار و مجاورت/ تحنُّث کے بعد تمام عبادت کرنے والے پہلے بیت اللہ حاضر ہوکر اختتامِ تحنُّث طواف سے ہی کرتے تھے۔ تحنُّث کے خاتمہ پر رسولِ اکرمؐ اور دوسرے حضرات مساکین کو کھانا کھلاتے یعنی صدقات دیتے کہ وہی حسنِ خاتمہ کی جمیل روایت تھی۔ وہ دوسرے تحنُّثات اور عبادات کی بھی ختام المسک تھی۔

۵) خلوت کے مقام یا غارِ حراء میں تحنُّث وتعبُّد حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے طریقۂ اسلامی کے مطابق کیا جاتا، اس میں عبادات کی مختلف اشکال شامل تھیں: نماز و سجدہ، تسبیح وتہلیل، ذکر و فکر، دعاء و انابت، تذکّر وتفکّر، مراقبہ اور دھیان اور ان جیسے دوسرے اشغال و اعمال شامل تھے۔ قبلِ بعثت کی جوار و مجاورت یا مقامِ خلوت پر تحنُّث کی روایتِ عہدِ جاہلی دراصل اسلامی عباداتِ اعتکاف کی شکل پیشیں تھی۔ اسلامی اعتکاف میں بعد کے دوسرے مراسم و اصلاحات بھی وحی الٰہی کے زیرِ اثر قائم کیے گئے ورنہ ان کی صورت اور نوعیتِ تحنُّث قریب قریب یکساں ہے۔

۶) تمام اعمالِ صالحہ اور رسومِ صحیحہ کی مانند جوار و اعتکاف کی روایت بھی دینِ حنیفی سے شریعت

اسلامی محمدی میں آئی اور اصلاح و ترمیم کے بعد نافذ کی گئی۔ ماہِ رمضان میں ایک ماہ کی سالانہ خلوت گزینی اور تحنُّث اس کا خاص جزو اور خاص عملِ نیکی ہے اور وہ وسیع تصور و عملِ تحنُّث کا ایک جزئیہ ہے۔ وسیع تر تحنُّث دوامی اور جاری ساری عمل رہا تھا۔

۷) وسیع تر اور دوامی عملِ تحنُّث کا ذکر خیر احادیث میں زیادہ ملتا ہے اور اس کے مختلف اور گونا گوں مظاہر ہیں۔ دراصل تحنُّث کے معنی کے دو پہلو یا جہات ہیں جو لازم و ملزوم ہیں: ایک جہت گناہ دور کرنے یا جھڑ جانے کی ہے جو منفی ہے اور دوسری اجروثواب کی طلب ہے جو مثبت ہے اور دونوں ساتھ ساتھ واقع ہوتی ہیں کہ نیکی ملتی ہے تو گناہ جھڑتے ہیں۔ یہی دراصل تعبُّد یا عبادت بھی ہے جو ان ہی دو لازم و ملزوم مقاصد کی خاطر کی جاتی ہے اور اس کا منتہا رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ تحنُّث کے معنی خواہ تعبُّد کے قرار دیے جائیں خواہ تبرّر کے، ان سب کا ماحصل ایک ہے: سعادتِ دارین اور حصولِ رضائے الٰہی۔ لہٰذا احادیث یا ان کے عظیم رواۃ کی شرح و تعبیر ہو یا شارحینِ کرام کی تشریح و تفسیر وہ ان ہی جہات کے گرد گھومتی ہے اور بقولِ امام ابن تیمیہؒ یہ تمام تشریحات و اقوال دراصل تنوعات ہیں اور ان میں جو ظاہری اختلاف ملتا ہے وہ تنوع کا ہے۔

۸) بقول حضرت شاہ ولی اللہؒ تحنّثات کی انواع بہت ہیں اور وہ تمام نیکیوں اور نیک اعمال و اشغال کو محیط ہیں۔ ان میں تمام عبادات- نماز و روزہ، صدقہ و زکوٰۃ اور حج و عمرہ و طواف وغیرہ۔ کے علاوہ بہت سی تقربات بھی شامل ہیں۔ مگر ان عام اور عمومی تحنّثات اور عبادات کے علاوہ خاص لفظ تحنُّث سے جن اعمالِ خیر کو متصف کیا گیا ہے وہ خاص طور سے یہ ہیں:

۹) اطعامِ مساکین جو کھانا کھلانے کے خاص نام سے فقراء و مساکین پر صدقات و احسانات کرنے سے عبارت ہے۔

۱۰) غلاموں کو برائے اجر و ثواب یا رضائے الٰہی کی طلب میں آزاد کرنا، جو عہدِ جاہلی میں بھی عظیم ترین کارِ ثواب سمجھا جاتا تھا۔

۱۱) بیکسوں، ناداروں اور بے نواؤں کو سواری کے جانور عطا کرنا، جسے حدیثی و قرآنی اصطلاح میں سوار کرنا (حمل) کہا گیا ہے۔

۱۲) رشتہ داروں اور رقابت والوں سے بطورِ خاص صلۂ رحمی کرنا اور ان کے ساتھ احسان و سلوک کرنا۔

۱۳) مہمان نوازی، ناداروں اور مسکینوں کی پرورش و پرداخت، بیکسوں کی دستگیری وغیرہ اعمالِ خیر کرنا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت حکیم بن حزام اسدیؓ کے تحنّثاتِ گوناگوں میں مذکورہ بالا اعمالِ خیر کا وسیع تر تحنُّث اور دوامی تبرّر کے طور پر ذکرِ خیر تمام احادیث بخاری ومسلم وغیرہ اور روایات سیرت میں ملتا ہے۔ اور خاص ماہِ رمضان میں ہر سال کسی مقامِ خلوت پر خلوت گزینی اور اس کے دوران عبادت گزاری اس وسیع تر روایتِ تحنُّث کا ایک حصہ ہے۔ دینِ حنفی کے باقیاتِ صالحات حج و عمرہ کی مانند وہ عہدِ جاہلی میں ایک روایتِ ابراہیمی کے طور پر قریشِ مکہ میں کم از کم برابر قائم و دائم رہی۔

حواشی

۱) شبلی نعمانی، سیرۃ النبی (اعظم گڑھ: دارالمصنفین، ۱۹۸۳ء)، ج ۱، ص ۲۰۰-۲۰۲ معہ حواشی۔

۲) اب اسے جبلِ نور کہتے ہیں، مفصل حال ہمارے سفرنامۂ حجاز میں ہے۔

۳) صحیحین، عن عائشۃ؛ قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین (دہلی، ۱۹۸۰ء)، ص ۴۶-۴۷۔

۴) مولانا محمد ادریس کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ (لاہور: نامی پریس، س-ن)، ج ۱، ص ۹۸۔

۵) مولانا محمد ادریس کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ، ج ۱، ص ۹۸-۹۹ و مابعد بحوالہ زرقانی، ج ۱، ص ۱۱؛ و بحوالہ الدرّ المختار "والمختار عندنا انه كان يعمل بماظهر له من الكشف الصادق من شريعة ابراهيم وغيره كما في الدرالمختار، ج ۱، ص ۱۶۳)۔

۶) بیہقی کی روایت ہے کہ یہ کیفیت نزولِ وحی سے ۶ مہینے پہلے شروع ہوگئی تھی۔

۷) "اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ کیفیت کے بعد آپؐ اور زیادہ خلوت پسند ہوگئے تھے، ورنہ آپؐ کی خلوت پسندی اس سے بہت پہلے شروع ہوچکی تھی۔ چنانچہ ابن ہشام اور طبری کی روایت کے مطابق ابن اسحاق اور عبداللہ بن زبیرؓ نے عبید بن عمیر اللیثی سے نقل کیا ہے کہ آپؐ ہر سال ایک مہینہ حراء میں گزارتے، چند روز کا سامان لے جاتے تھے۔ نیز ان کا بیان ہے کہ اس اعتکاف اور تحنُّث کے زمانے میں آپ مساکین کو کثرت سے کھانا کھلاتے تھے۔ لیکن انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ حضورؐ نے ؟ ، میں جاجاکر قیام فرمانے کا یہ سلسلہ کب سے شروع کیا تھا۔ تاہم یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ عمل چند سال سے جاری تھا۔" ملاحظہ ہو: سید ابوالاعلیٰ مودودی، سیرتِ سرورِ عالم (دہلی، ۱۹۸۹ء)، ج ۲، ص ۱۳۱-۱۳۲ و مابعد۔

۸- الف) ملاحظہ ہو: سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن (لاہور: ادارۂ ترجمان القرآن، ۲۰۰۵ء)، ج ۶، ص ۳۸۰، حاشیہ ۲۔

۸-ب) سید ابوالحسن علی ندوی، السیرۃ النبویۃ، (المکۃ المکرمۃ: دارالشروق، ۱۹۸۹ء)، ص ۱۱۵-۱۱۶ بحوالہ حدیث حضرت عائشہؓ۔

۹) مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری، الرحیق المختوم (اردو) (علی گڑھ، ۱۹۸۸ء)، ص ۱۰۱۔

۱۰) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" (اردو ترجمہ: نذیر حق)، نقوش رسول نمبر، ج ۲، ص ۵۲۹-۵۳۰۔

۱۱) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری (ریاض: دارالسلام، ۱۹۹۷ء)، ج ۳، ص ۳۸۰-۳۸۱ نیز ج ۴، ص ۵۱۹ و مابعد: حدیث بخاری: ۲۲۰ "كنت اتحنث – أو اتحنت – بها" – کتاب البیوع، باب شراء المملوك من الحربی و هبته و عتقه، ج ۵، ص ۲۰۸-۲۰۹؛ حدیث بخاری: ۲۵۳۸: "كنت اتحنّث بها" کتاب العتق، باب عتق المشرک، ج ۱۰، ص ۵۲۰-۵۲۱ و مابعد؛ حدیث بخاری: ۵۹۹۲: "كنت اتحنّث بها" ...... وعن ابی الیمان: "اتحنّث"، کتاب الادب، باب من وصل رحمه فی الشرك ..... الخ۔

۱۲) ابن حجر عسقلانی، فتح البــاری، ج۱،ص۲۹-۳۱ و مابعد؛ اطراف حدیث: ۳:۳۳۹۲، ۴۹۵۳، ۴۹۵۶، ۴۹۵۷، ۶۹۸۲۔

۱۳) ابن حجر عسقلانی، فتح البـاری ،ج۱،ص۳۱؛ ج۸،ص۹۱۳-۹۱۶ ومابعد؛ حدیث بخاری: ۴۹۵۳: ''قـال: والتحنث: التعبد'' پر بحثِ حافظ ابن حجر کہ یہ ادراج ہے: ''هـذا ظاهر فی الادراج..... الخ'' اور اس کی دلیل دی ہے کہ یہ ممکن ہے کہ حضرت عروہؓ کا کلام ہو یا ان کے بعد کے راوی کا۔

۱۴) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ج۸،ص۹۱۶۔

۱۵) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ج۵،ص۲۰۹۔

۱۶) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری ، ج۱،ص۳۱؛ ابن اسحاق/ابن ہشام، السیرۃ النبویّۃ، ج۱،ص۲۵۳؛ سہیلی، الروض الأنف، ج۲،ص۳۸۰ و مابعد: ''واما التحنّف بالفاء فهو من باب التبرّر، لانه من الحنيفية دين ابراهيم،.....'' تفسیر طبری، سورۂ بقرہ-۱۳۵ کی تفسیر: ''فان دینه كان الحنيفية المسلمة''۔

۱۷) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ج۱،ص۵۲۱: کتاب الادب۔

۱۸) محمد یٰسین مظہر صدیقی، ''جاہلی عہد میں حنیفیت'' معارف (اعظم گڑھ)، اکتوبر ۲۰۰۳ء، ص ۲۴۵-۲۷۰؛ نومبر ۲۰۰۳ء، ص۳۲۵-۳۵۰۔

۱۹) موخرالذّکر قسط میں اعمال و عبادات پر بحث ہے؛ نیز ملاحظہ ہو: مقالۂ خاکسار: محمد یٰسین مظہر صدیقی، ''ملت حنیفیہ حواشی فتح الرحمٰن میں'' معارف (اعظم گڑھ)، فروری ۲۰۰۴ء، ص۸۵-۱۰۲؛ شاہ ولی اللہؒ کی فصل خاص کے لیے حجة الله البالغه، ج۱،ص۲۷۱-۲۷۲: باب بيان ما كان عليه حال اهل الجاهلية فاصلحه النّبی صلی الله علیه وسلم؛ دوسرے مآخذ میں حنیفیت کا ذکر ہے جیسے: ابن ہشام، السیرۃ النّبویہ، ج۱،ص۱۴ ومابعد؛ سہیلی، الروض الانف (قاہرہ، ۱۹۶۷ء)، ج۲،ص۲۵۹ وغیرہ بالخصوص ص۳۸۰ و مابعد؛ اور مقالہ میں مذکور متعدد دوسرے مآخذ حدیث و سیرت۔

۲۰) شاہ ولی اللہ دہلوی، حجة اللّٰه البالغه، ج۱،ص۲۷۸-۲۷۹؛ محمد یٰسین مظہر صدیقی، ''جاہلی عہد میں حنیفیت''، قسط دوم،ص ۳۴۳ نیز دوسرے مآخذ مقالہ مذکورہ بالا۔

۲۱) البلاذری، انساب الاشراف (قاہرہ، ۱۹۰۹ء)، ج۱،ص۸۴؛ عبدالمطلب ہاشمی- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا (دہلی، ۲۰۰۴ء)، ص ۹۱؛ مقالہ ''جاہلی عہد میں حنیفیت'' قسط۲،ص۳۴۳۔

۲۲) ابن ہشام، السیرۃ، ج۱،ص۲۵۳-۲۵۴؛ سہیلی، الروض الانف ،ج۲،ص۳۸۰-۳۸۱، ۳۹۱ و مابعد؛ مقالہ ''جاہلی عہد میں حنیفیت'' قسط۲،ص ۳۴۰-۳۴۴؛ مآخذ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اکابر کے طواف کعبہ کے شواہد متواتر اور بہت سے ہیں۔ نیز ملاحظہ ہو کتاب خاکسار (محمد یٰسین مظہر صدیقی)، ''مکی عہدِ نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقاء، باب حج وعمرہ۔

۲۳) بخاری، کتاب الاعتکاف، باب الاعتكاف ليلا ؛ اطراف حدیث: ۲۰۴۳، ۳۱۴۴، ۴۳۲۰، ۶۶۹۷؛ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ج۴،ص۳۴۸-۳۴۹ و مابعد؛ بالخصوص، ج۱۱،ص۷۰۹-۷۱۱: حدیث بخاری: ۶۶۹۷ پر بحث میں حافظ ابن حجر عسقلانی، ابن ہشام اور سہیلی وغیرہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ جوار/مجاورة اصل میں اعتکاف ہی تھا۔ جوار و اعتکاف میں بس یہ فرق ہے کہ اعتکاف صرف مسجد میں ہوسکتا ہے اور جوار کسی بھی جگہ، اس لیے غارِ حراء کے جوار کو اعتکاف نہیں کہا گیا: ''.....الجوار بالكسر فی معنی المجاورة، وهی

الاعتکاف ولافرق بین الجوار و الاعتکاف الامن وجه واحد، وهوان الاعتکاف لایکون الا داخل المسجد والجوار قدیکون خارج المسجد کذا لك قال ابن عبدالبر ولذلك لم یسم جوارہ بحراء اعتکافا ....." ابن ہشام، السیرۃ النّبویۃ ، ج۱،ص۲۵۳ و سہیلی، الروض الأنف ، ج۲،ص۳۸۰، ۳۹۰-۳۹۲۔

(۲۴) تفصیل کے لیے دیکھیے راقم کا مقالہ: "شریعت اسلامی محمدی کا آغاز و ارتقاء"، معارف (اعظم گڑھ)، ۴:۱۷۹ (اپریل ۲۰۰۷ء)، ص۲۴۵-۲۶۷۔

(۲۵) مذکورہ بالا مآخذ۔

(۲۶) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ،ج۱،ص۱۲۷-۱۲۸۔

(۲۷) المائدہ:۸۹؛ المجادلہ:۳؛ البلد:۱۳ اور البقرہ:۱۸۴ وغیرہ۔

(۲۸) بخاری، کتاب العتق، باب عتق المشرک؛ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری ،ج۵،ص۲۰۸-۲۰۹ نیز دوسرے ابواب کے اطراف۔

(۲۹) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ج۳،ص۳۸۱؛ مذکورہ بالاحدیث حضرت امام بخاریؒ کتاب الزکوۃ میں لائے ہیں جو عہدِ جاہلی میں زکوۃ وصدقہ کے واضح ہونے کی ایک دلیل ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ کے نظریہ و بیان کی تصدیق بھی۔ مفصل بحث کے لیے ملاحظہ ہو خاکسار کی کتاب: عہدِ نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقاء، باب زکوۃ وصدقات۔

(۳۰) ابن ہشام/ ابن اسحاق، السیرۃ النّبویّہ، غزوۂ تبوک۔

(۳۱) بخاری، کتاب الادب، باب البروالصلۃ وغیرہ متعدد ابواب کی احادیث؛ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری ، ج۱۰،ص ۴۹۱-۵۲۲ و مابعد؛ حدیث بخاری: ۵۹۹۲ صلۂ رحمی حضرت حکیم بن حزام اسدیؓ۔ اسی کتاب کے خاص باب: باب من وصل رحمه فی الشرك ثم اسلم" میں لائی گئی ہے اور اس میں جیسا کہ ذکر ہو چکا، صلہ کے لیے تحنُّث کا لفظ لایا گیا ہے اور اس سے مراد عام تبرّر یا نیکی کرنا ہے۔

(۳۲) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ج۱،ص۳۰ مع اطراف کثیرہ۔

(۳۳) بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب هجرة النّبی صلی الله علیه و سلم و اصحابه ، حدیث: ۳۹۰۵: "**یکسب المعدوم، ویصل الرحم ویحمل الکل ویقری الضیف و یعین علی نوائب الحق** ؛ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۷/۲۹۲-۲۹۵؛ سہیلی، الروض الألف، ج۳،ص۳۳۶-۳۳۷ و مابعد۔